فلسفۂ جہاد

استاد مرتضیٰ مطہری

مطبوعاتِ توحید

فلسفۂ جہاد

استاد مرتضیٰ مطہری

ناشر:
مطبوعاتِ توحید
۱۰۹، حسن کالونی کراچی ۱۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی نکتۂ نظر سے جہاد کی ماہیت (اصلیت) کیا ہے؟ یا پھر جہاد کی حقیقت کیا ہے؟ یہ وہ سوال ہیں جن کے بارے میں محققین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، اس لیے کہ جہاد کی ماہیت "دفاع" ہے۔ یعنی اس پہلو کے بارے میں کسی کو کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ قتال اور جنگ چاہے وہ کسی نوعیت ہی کی کیوں نہ ہو اگر "جہاد" کے تحت ہو، یعنی اس جنگ اور قتال کا مقصد مال و دولت جمع کرنا یا پھر اپنے مدِ مقابل کی تمام تر طاقتوں پر تسلط حاصل کرکے ان طاقتوں کو اپنے حق میں کرنا ہو، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر جنگ اور قتال کا مقصد کسی قوم کی اقتصادی یا انسانی طاقتوں کو اپنے زیرِ تسلط قرار دینا ہو تو ایسی جنگ اور قتال اسلام کی نظر میں کسی صورت بھی جائز نہیں ہے بلکہ اسلام کی نظر میں اس قسم کی جنگیں ایک قسم کا ظلم ہیں جبکہ

جہاد صرف اور صرف دفاع کے زیرِ عنوان تجاوز اور جارحیت کے خلاف ایک قسم کی جدّ و جہد ہے، اس لیے اس (جہاد) کا مشروع (جائز) ہونا قطعی ہے۔"

ہاں البتہ اس ضمن میں بھی ایک شرط موجود ہے اور وہ یہ کہ یہ جہاد (جو دفاع کے زیرِ عنوان ہے) نہ تو دُوسری طاقتوں کو اپنے زیرِ نگیں قرار دینے کی غرض سے ہو اور نہ ہی محض اپنی ذات یا کسی خاص انسانی اقدار سے دفاع کے تحت بلکہ وہ (جہاد) انسانی اقدار کے فروغ کی غرض سے ہو، انشاء اللہ اس موضوع پر ہم آگے چل کر تفصیلی بحث کریں گے۔

"بہر حال یہ مسلّم امر ہے کہ اس کلّی اصول میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ جہاد اور جنگ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دفاع کے زیرِ عنوان ہو، جب کہ اختلاف اگر پایا جاتا ہے تو وہ کلیہ صغریٰ کے سلسلے میں ہے، یعنی اختلاف اس امر میں ہے کہ دفاع کس چیز سے؟"

دفاع کی اقسام:

وہ افراد جن کی نظر محدود ہے اُن کا کہنا ہے کہ "دفاع اپنی ذات سے ہوتا ہے" یعنی جنگ اُس وقت جائز (مشروع) ہے جب انسان چاہے وہ ایک فرد ہو یا ایک قوم اور ملّت کی حیثیت سے اپنی ذات اور اپنی زندگی کے دفاع کے لیے جنگ لڑے۔"

گویا جب کبھی کسی قوم یا ملّت کی زندگی "جارح" کی وجہ سے خطرات سے دوچار ہو تو ایسے موقع پر اپنی زندگی کا دفاع ایک ایسا امر ہے جو قطعی طور پر

جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کی دولت یا اس کی املاک پر کوئی حملہ آور ہو تب بھی انسانی حقوق کے پیشِ نظر ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حق کا دفاع کرے، لہٰذا اس حقیقت کی بنا پر جب کسی شخص کا مال و ثروت کسی دُوسرے کے حملوں کی زد میں ہو تو اس وقت ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی دولت و ثروت کا دفاع کرے یا اگر کسی قوم اور ملّت کی دولت و ثروت کو کوئی دُوسرا کسی نہ کسی طریقے سے ہڑپ کرنے کی کوشش کرے تو اِس موقع پر اس قوم کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اپنی دولت و ثروت کا دفاع کرے، چاہے اسے اس مقصد کے لیے جنگ ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔

توحید: ذاتی حق ہے یا عمومی؟

آیا اصولِ توحید یعنی "لا الٰہ الا اللّٰہ" حقوقِ انسانیت کا جزء ہے یا نہیں؟ (اس سوال کے ضمن میں) ہو سکتا ہے کوئی یہ خیال ظاہر کرے کہ توحید "حقوقِ انسانیت" کا جزء نہیں ہے بلکہ وہ (توحید) افراد کے شخصی مسائل یا پھر زیادہ سے زیادہ کسی ملّت کے قومی مسائل کا جزء ہے۔ یعنی مثال کے طور پر ممکن ہے کہ میں (آیت اللہ مطہری نے اپنی مثال دی ہے) توحید پرست ہوں، اس لیے کہ مجھے اختیار ہے کہ توحید پرست بن جاؤں یا پھر مشرک بن جاؤں۔ بہرحال جب میں نے توحید پرستی اختیار کر لی تو پھر کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس سلسلے میں میری راہ کا پتھر بنے، اس لیے کہ یہ میرا ذاتی حق ہے۔ اسی طرح اگر کوئی مشرک بن جاتا ہے تو یہ اس کا شخصی حق ہے۔

تمام قومی ادارے قوانین کے اعتبار سے تین حالتیں رکھتے ہیں۔

"پہلی حالت تو یہ ہے کہ وہ توحید کو منتخب کرنے کے بعد (اُسے (توحید کی) سرکاری حیثیت دے دیتے ہیں اور اپنے دامن میں غیر موحد کو جگہ نہیں دیتے"

"دُوسری حالت یہ ہے کہ شرک کو سرکاری مذہب قرار دے دیتے ہیں"

جب کہ "تیسری حالت یہ ہے کہ ان اداروں میں مکمل آزادی ہوتی ہے یعنی جو شخص جس طرح چاہے رہے"

لہٰذا ایک نظریہ یہ ہے کہ جب کبھی توحید کسی ملّت کے قوانین کا جز بن جائے تو پھر وہ (توحید) اس ملّت کے حقوق کا جز بھی ہوگی ورنہ اس کے برعکس ہوگا۔ جب کہ دُوسرا نظریہ یہ ہے کہ توحید بھی آزادی کی مانند انسانی حقوق ہی کا ایک جز ہے۔

ہم عقیدے کی آزادی کے سلسلے میں بتا چکے ہیں کہ حقِ آزادی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ ایک فرد کی آزادی کو کسی دُوسرے فرد کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، اس لیے کہ اس امر کا امکان بھی موجود ہے کہ کسی شخص کی آزادی خود اُس کی اپنی ذات کی وجہ سے خطرے میں پڑ جائے۔ لہٰذا اگر کچھ لوگ "توحید" کے فروغ اور شرک کے خلاف جدوجہد کی غرض سے جنگ لڑتے ہیں تو اُن کی یہ جنگ دفاعی پہلو رکھتی ہے نہ کہ استعماری، استحصالی اور جارحانہ پہلو۔ چنانچہ اس ضمن میں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں خود علمائے اسلام کے درمیان دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔

بعض علماء نے اس ضمن میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے اور اُن کے نکتۂ نظر کا مفہوم یہ ہے کہ "توحید" انسانوں کے عمومی حقوق کا جزو ہے، لہٰذا توحید کی خاطر جنگ لڑنا قطعی طور پر ایک جائز امر ہے، اس لیے کہ دفاع انسانیت کے حقوق میں سے ایک حق ہے اور اس جنگ کی مثال بالکل اُس جنگ کی طرح ہے جو ایک قوم اپنی آزادی کے لیے کسی دُوسری (مخالف) قوم کے خلاف لڑتی ہے۔

علماء کے دُوسرے گروہ نے اپنے نظریے کی وضاحت یوں کی ہے اور ان کے نکتۂ نظر کا مفہوم یہ ہے کہ توحید انسانوں کے فردی حقوق یا اُن کے قومی حقوق ہی کا حصہ ہے اور اس (توحید) کا انسانی حقوق سے کوئی ربط نہیں ہے۔ اس بنا پر کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں کہ توحید کی وجہ سے کسی کی مخالفت کرے۔ یا اُس کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی سعی کرے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونوں نظریات میں کون سا نظریہ درست ہے؟ ایسے امور کا ایک سلسلہ موجود ہے جن کا دفاع کرنا کسی فرد کے حقوق یا کسی ملّت کے حقوق سے کہیں زیادہ برتر اور مقدس تر فریضہ ہے۔ نیز ان امور کا دفاع کرنا انسانی ضمیر کے نزدیک کسی انسان کے ذاتی حقوق کا دفاع کرنے سے کہیں زیادہ افضل تر امر ہے، اور یہی چیز مقدساتِ انسانیت میں شامل ہے۔ دُوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ "دفاع کے تقدس" کا معیار یہ امر نہیں ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی ذات کا دفاع کرے بلکہ اصل معیار یہ ہے کہ انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے "حق" کا دفاع کرے۔ لہٰذا جب "حق" کو معیار قرار دیا جائے گا تو پھر آیا فردی، عمومی اور انسانی حقوق

کے درمیان فرق کیا جاسکتا ہے؟ انسانی حقوق کا دفاع سب سے مقدس ترعمل ہے، اگرچہ موجودہ دور میں اس کا نام نہیں لیا جاتا، تاہم عمل کے میدان میں اس امر کا اعتراف ضرور کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر آزادی کو انسانیت کے اہم ترین مقدسات میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ آزادی صرف کسی ایک فرد یا ملّت سے مربوط نہیں۔ اب اگر کسی مقام پر آزادی خطرے میں پڑ جائے۔ یہاں واضح ہو کہ جس آزادی کا ذکر ہے وہ میری ذات یا میری ملت کی آزادی تک محدود نہیں بلکہ دنیا کے کسی کونے میں اگر اس آزادی کو خطرہ لاحق ہو جو تمام انسانوں کے عمومی حق کا جزو ہے تو کیا اس حقِ انسانیت کا دفاع اس حیثیت سے کریں دفاع حقِ انسانیت کا دفاع ہے جائز ہوگا یا نہیں! اگر یہ دفاع جائز ہے تو پھر یہ دفاع صرف اس فرد تک منحصر نہیں جس کی آزادی خطرے میں ہے بلکہ دوسرے افراد اور دوسری اقوام بھی اگر چاہیں تو وہ ان افراد کی آزادی کے لیے امداد کر سکتی ہیں جن کی آزادی خطرے میں ہے۔

سوچیں اور بتائیں کہ اس ضمن میں کیا جواب ہو سکتا ہے؟

میرے خیال میں تو کوئی فرد ایسا نہیں ہوگا جو اس بارے میں تردید کر سکے کہ مقدس ترین جہاد یا مقدس ترین جنگ وہ جہاد اور جنگ ہی ہے جو "حقوقِ انسانیت کے دفاع" کے تحت لڑی جائے۔

مقدس ترین دفاع:

دنیا والے کہتے ہیں کہ جب کبھی بھی جنگ "دفاع" کے زیرِ عنوان ہوگی

وہ مقدس کہلائے گی۔ اگر اپنی ذات کے دفاع کے لیے ہو تو صرف مقدس ہے اور اگر اپنی ملت کے دفاع کے لیے ہو تو پھر مقدس تر ہے، اس لیے کہ جب شخص پہلو تبدیل ہو کر قومی پہلو کی صورت میں وسعت پیدا کر لیتا ہے تو اس صورت میں انسان صرف اپنی ذات کا دفاع نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی ملت کے دوسرے افراد کا بھی دفاع کرتا ہے۔ اسی طرح اگر یہ جنگ قومی حدود سے بھی بڑھ کر پوری انسانیت سے متعلق ہو جائے تو پھر اس کے تقدس کا دائرہ بھی اور وسیع تر ہو جائے گا۔

بہرحال جھگڑا اس بات میں نہیں ہے کہ آیا جہاد صرف دفاع کے زیرِ عنوان جائز ہے یا اگر اس کی حیثیت "دفاع" کی نہ ہو تب بھی جائز ہے، اس لیے کہ اس کلیۂ کبریٰ میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ "جہاد" صرف اور صرف "دفاع کے زیرِ عنوان" ہی مشروع (جائز) ہے۔ ہاں البتہ بحث (جھگڑا) دفاع کے مصداق کے بارے میں ہے، یعنی بحث کلیۂ صغریٰ کے سلسلے میں ہے یعنی آیا دفاع کا مصداق صرف وہ انسان (بذاتِ خود) ہے جو جہاد کرتا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ ملت ہے جو جہاد کرتی ہے؟ یا اس کے علاوہ پوری انسانیت کا دفاع بھی مشروع دفاع ہے۔

امر بالمعروف، حقوقِ انسانی کے دفاع کا مصداق:

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ انسانیت کا دفاع بھی درحقیقت دفاع کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، لہٰذا وہ لوگ جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے

تحت قیام (جدوجہد) کرتے ہیں ان کی جدوجہد بھی ایک مقدس جدوجہد ہے۔ یہ امر ممکن ہے کہ کسی شخص کو اس کی ذاتی حیثیت کی بنا پر تجاوز کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ ذاتی حیثیت سے وہ قابل احترام ہے اور اسے ہر طرح کے (ذاتی) وسائل بھی میسر ہیں۔ علاوہ ازیں اس شخص کو ملت کے مادی حقوق کے تحت بھی تجاوز کا نشانہ نہیں بنایا گیا بلکہ اُسے انسانی نظریات واقدار کے لحاظ نظر سے تجاوز کا نشانہ قرار دیا گیا ہو۔

یعنی اس شخص کے نہ تو ذاتی اور مادی حقوق کو اور نہ ہی اس معاشرے کے ذاتی اور مادی حقوق کو تجاوز کا نشانہ قرار دیا گیا ہے جس کے درمیان وہ زندگی بسر کر رہا ہے مگر اس کے باوجود یہ دیکھتے ہوئے کہ "معروف" (اچھائی و نیکی) کی جگہ منکر (برائی) نے لے رکھی ہے۔ ایک شخص اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کے فریضے کی ادائیگی) کی خاطر قیام کرتا ہے تو اس صورت میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ اپنے اس عمل کے ذریعے کس چیز کا دفاع کر رہا ہے؟

کیا ایسا ہے کہ وہ اپنے ذاتی حقوق کا دفاع کر رہا ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر کیا وہ اپنے معاشرے کے حق کا دفاع کر رہا ہے وہ بھی اس لیے کہ اس کے مادی اور ذاتی حقوق بھی وہی ہیں جو اس ملت کے ہیں جن کے درمیان وہ زندگی بسر کر رہا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب بھی منفی ہی ہو گا، اس لیے کہ اس شخص کا یہ دفاع مادی حق سے مربوط نہیں ہے بلکہ اس (دفاع) کا تعلق انسانوں کے معنوی (روحانی) حقوق کے ساتھ ہے، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا ہم اس جہاد (جدوجہد) کی مذمت کریں یا اسے بھی ایک مقدس دفاع

خیال کریں؟ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ہمیں اس جہاد کو بھی ایک مقدس دفاع شمار کرنا ہوگا، کیونکہ یہ انسانوں کے حقوق سے متعلق ہے۔

آزادی کے دفاع کا تقدّس:

موجودہ دور میں وہ لوگ جو آزادی سے برسرِ پیکار ہیں (جن کی جدوجہد کا مقصد دوسروں کی آزادی کو سلب کرنا ہے) اپنے عمل کی کوئی معقول وجہ جتانے کی خاطر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ ہم اپنی آزادی کا دفاع کر رہے ہیں۔
ایسا اس لیے ہے، کیونکہ یہ لوگ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ آزادی کا دفاع حقیقتاً ایک مقدس مفہوم رکھتا ہے۔ اگر واقعاً آزادی کا دفاع کرتے ہوئے جنگ لڑی جائے تو یہ دفاع برحق ہے، اسی لیے یہ لوگ اپنی جارحیت اور تجاوز کو "آزادی کے دفاع" کا نام دیتے ہیں۔ یہ خیال اس مطلب (مفہوم) میں ہے کہ "حقوقِ انسانیت" بھی قابلِ دفاع ہیں اور حقوقِ انسانیت کے دفاع کے لیے جنگ لڑنا ایک جائز اور مفید عمل ہے۔

اسلام کہتا ہے کہ

"المقتول دون اھلہ وعیالہ شھیدٌ"

یعنی جو شخص اپنے مال اور ناموس کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ اسلام کی نظر میں "شہید" ہے۔

گویا ناموس کا دفاع بھی جان و مال کے دفاع کی مانند ہے بلکہ اس سے

کہیں افضل اور بالاتر۔ کیونکہ یہ دفاع ایک ملت کی شرافت اور اس کے استقلال و آزادی کا دفاع ہے، اسی لیے یہ قطعی طور پر مشروع (جائز) دفاع کا حکم رکھتا ہے۔ لہٰذا جب کبھی کوئی قوم اور ملت یہ چاہے کہ کسی دوسری قوم سے اس کی آزادی کو سلب کر کے اُس قوم کو اپنا ماتحت اور محکوم بنا لے تو ایسی صُورت میں اگر وہ قوم جس کی آزادی کو اُس سے چھیننے کی سعی کی جارہی ہے اپنی آزادی و استقلال کے دفاع کا عزم لے کر اپنے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسلحہ اُٹھا لیتی ہے تو اس قوم کا یہ عمل قطعی طور پر نہ صرف یہ کہ جائز عمل سمجھا جائے گا بلکہ اسے قابلِ تعریف و تحسین عمل بھی قرار دیا جائے گا۔

پس زندگی کا دفاع، اپنے مال و ثروت اور اپنی سرزمین کا دفاع اپنے ناموس کا دفاع، اپنی آزادی و استقلال کا دفاع یا اسی طرح کے دُوسرے دفاع قطعی طور پر مشروع (جائز) ہیں۔ نیز ہر وہ جنگ جو "دفاع" کے زیرِ عنوان لڑی جائے نہ صرف یہ کہ بُری اور قابلِ مذمت نہیں بلکہ وہ جنگ ایک ایسے قابلِ تعریف و تحسین عمل کی حیثیت رکھتی ہے جو انسانی زندگی کی ضروریات کا ایک اہم جزء بھی ہے۔

حقوقِ انسانیت:

اس ضمن میں ایک بات جو قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ آیا وہ چیز جس کی بنا پر دفاع مشروع ہو سکتا ہے۔ اس کا انحصار اس امر پہ ہے کہ کسی انسان کے ذاتی حقوق یا کسی ملت کے حقوق کو پامال کیا جا رہا ہو یا وہ امور

جن کی وجہ سے دفاع واجب اور لازمی ہو جاتا ہے۔ ان میں بعض ایسے امور بھی ہیں جو کسی فرد کے شخصی حقوق یا کسی ملّت کے خاص حقوق کا جُز نہیں ہیں بلکہ وہ امور حقوقِ انسانیت کا جُز ہیں، لہٰذا اگر حقوقِ انسانیت کو تجاوز کا نشانہ بنایا جائے تو اس صورت میں حقوقِ انسانیت کا دفاع کرتے ہوئے جو جنگ لڑی جائے گی اس کے بارے میں حُکمِ شرعی کیا ہے؟ آیا وہ (جنگ) جائز ہوگی یا ناجائز؟

ممکن ہے کہ کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ حقوقِ انسانیت کے دفاع کا کیا مطلب ہے؟ مجھے (یا ہر انسان کو) چاہیئے کہ صرف اپنے انفرادی حقوق کا دفاع کرے کوئی کا نہیں۔ ہمیں حقوقِ انسانیت سے کیا سروکار ہے؟ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا اس سوال کے ضمن میں ہم اپنا نقطۂ نظر بیان کرنے سے قبل ایک اور بات جو کہ بے حد اہمیت کی حامل ہے اُسے بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں نظریات نتیجۂ بحث میں ایک نظریہ کی شکل اختیار کر جائیں جو یہ ہے کہ بعض امور ایسے ہیں جن کو "اکراہ" (کراہیت) اور اجبار (جبر) کے ساتھ برداشت کرنا پڑتا ہے جب کہ دُوسرے مسائل میں اُن کی ذات کی حد تک اجبار نہیں ہے بلکہ اُن کی فطرت یہی ہے کہ اُنھیں اختیاری قرار دیا جائے۔

مثال کے طور پر فرض کریں کہ کوئی خطرناک قسم کی بیماری کسی علاقے میں پھیل جاتی ہے اور اس بیماری سے بچاؤ کے لیے انجکشن لگوانا ضروری ہے تو ایسی صورت میں متعلقہ علاقے کے لوگوں کو انجکشن لگانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے

بلکہ اگر کوئی شخص انجکشن لگوانے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے طاقت کے ذریعے یعنی اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے بے ہوش کر کے انجکشن لگانا پڑے تب بھی اس کام سے گریز نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ کام وہ ہے جس میں "اجبار" کا وجود پایا جاتا ہے، جب کہ اس کے برعکس بعض امور ایسے بھی ہیں جن میں "اجبار" نہیں بلکہ ان کی انجام دہی میں ہر فرد کو اختیار دیا جاتا ہے، اس لیے کہ ایسے مسائل کو سوائے اختیار دینے کے انجام ہی نہیں دیا جاسکتا۔

مثال کے طور پر تزکیۂ نفس یا اعلیٰ تربیت کا معاملہ ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کو اعلیٰ تربیت دے سکیں یعنی لوگوں کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ لوگ فضیلتوں کو سمجھ کر کبول کریں اور اپنے لیے ان کا (فضیلتوں کا) انتخاب کریں جب کہ برائیوں سے اس لیے اجتناب کریں کہ وہ بُری ہیں اور انہیں (برائیوں کو) اپنانے کی وجہ سے انسانیت میں نقص پیدا ہوتا ہے، نیز اس تربیت کے نتیجے میں اگر ہم چاہتے ہیں کہ لوگ سچائی کے احترام اور اس کی اہمیت کے قائل ہو جائیں تو یہ ایک ایسا کام ہے جسے "تازیانے" کے زور پر انجام نہیں دیا جاسکتا۔

تربیت اور ایمان ایسے مسائل ہیں جن میں "اجبار" (زبردستی) نہیں یعنی انھیں "تازیانے" کے زور پر وجود نہیں دیا جاسکتا۔ "آزادی" زبردستی فراہم کی جاسکتی ہے، لیکن "آزادی پسند" ہونے کے احساسات اور جذبات کو طاقت کے ذریعے وجود میں نہیں لایا جاسکتا۔

لہٰذا اب جب کہ ہم اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ اگر ہم غور کریں

تو ہم دیکھیں گے کہ محققینِ اسلام کے دو نظریات ہیں۔ ایک گروہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ توحید بھی حقوقِ انسانیت کا جزء ہے اور حقوقِ انسانیت کا دفاع قطعی طور پر ضروری ہے، چنانچہ توحید کا بھی دفاع کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے ممکن ہے کہ ایک قوم "توحید" کی خاطر جنگ کرے، جب کہ دوسرے گروہ کا نقطۂ نظر مذکورہ نظریہ سے قدرے مختلف ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ توحید کی خاطر جنگ نہیں لڑی جاسکتی۔ اگر ایک ملت مشرک ہو تب بھی اُس سے جنگ نہیں لڑنی چاہیے۔

ایمان اور توحید کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ہٹانے کے لیے جنگ:

جو کچھ اس سے قبل بیان کیا جاچکا ہے اُس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اگر ہم توحید کو انسانی حقوق کا جزء خیال کریں تب بھی ہم اس ملت کے ساتھ اس مقصد کے لیے جنگ نہیں لڑ سکتے تاکہ ہم اس ملت پر زبردستی توحید کے عقیدہ کو مسلط کریں، اس لیے کہ توحید بذاتِ خود ایک ایسا عقیدہ ہے جو جبر اور اکراہ پسند نہیں کرتا۔

البتہ اس سلسلے میں ایک اور بات ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم توحید کو انسانی حقوق ہی کا حصہ خیال کریں تو اس صورت میں جب انسانیت اور توحید کی مصلحت کا یہ تقاضا ہو کہ ہم ایک مشرک قوم کے خلاف جنگ لڑیں۔ ہم یہ جنگ لڑ سکتے ہیں مگر اس مقصد کے تحت نہیں کہ ہم اس قوم پر زبردستی توحید و ایمان کو مسلط کرنے کی سعی کریں گے بلکہ ہم مشرکین کے ساتھ اگر جنگ

لڑیں گے تو اس مقصد کی بنا پر کہ ہم فتنہ و فساد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں۔

اس بنا پر وہ لوگ جن کا یہ عقیدہ و نظریہ ہے کہ توحید کو انسان کے ذاتی حقوق یا کم از کم ایک ملّت کے قومی حقوق کا حصّہ ہونا چاہیئے۔ اگر یہ کہتے ہیں کہ توحید کی خاطر جنگ لڑنا جائز نہیں۔ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جن کی اکثریت کے اندازِ تفکّر پر یورپی طرزِ فکر اپنے گہرے اثرات مرتّب کر چکا ہے، کیونکہ یہ یورپ والے ہی ہیں جو اس قسم کے مسائل کو شخصی مسائل یا زندگی کے غیر ضروری مسائل کے ایک سلسلے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔

ان لوگوں کے نزدیک یہ مسائل بھی اسی طرح ہیں جیسے کسی قوم کی مختلف رسوم جن کے بارے میں ملّت کے ہر فرد کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ جس رسم کو چاہے اپنے لیے منتخب کرے، لہٰذا مذکورہ بالا عقیدہ رکھنے والوں کے نزدیک اگرچہ جنگ فتنہ و فساد کی جڑوں کو نابود کرنے کی غرض سے ہو تب بھی وہ جنگ جائز نہیں، اس لیے کہ شرک (ان لوگوں کی نظر میں) فساد نہیں ہے اور توحید ایک شخصی معاملہ ہے۔

لیکن اگر ہم توحید کو ایک عام مسئلہ قرار دینے کے علاوہ اُسے انسانی حقوق کا جُز اور عوام الناس کی فلاح و بہبود سے متعلق شرائط میں سے ایک شرط خیال کریں تو اس صورت میں حریم توحید اور توحید سے دفاع کی حیثیت سے لڑی جانے والی ابتدائی جنگ جائز قرار پائے گی۔ ہاں البتہ اگر اس کا مقصد دُوسروں پر زبردستی توحید کا عقیدہ مسلّط کرنا ہو تو اس صورت میں یہ جنگ جائز نہیں ہوگی۔

تبلیغ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو ہٹانے اور آزادانہ تبلیغ کے لیے جنگ:

اس مقام پر ہم ایک دُوسری بحث میں وارد ہوتے ہیں، جو یہ ہے کہ آیا آزادانہ تبلیغ کی خاطر جنگ لڑنا جائز ہے یا نہیں۔ آزادیِ دعوت کے لیے جنگ لڑنے سے کیا مُراد ہے؟ یعنی ہمارا کہنا یہ ہے کہ ہمیں آزاد ہونا چاہیے تاکہ ہم اپنے مخصوص عقیدے اور فکر کو ہر ملّت کے درمیان عام کر سکیں۔

لفظ تبلیغ سے ہماری مُراد وہ پروپیگنڈہ نہیں ہے جسے عصرِ حاضر میں "تبلیغ" کا نام دیا جا رہا ہے، بلکہ تبلیغ سے مُراد اس حقیقت کا بیان کرنا ہے کہ چاہے ہم آزادی کو ایک عام انسانی حق خیال کریں، چاہے ہم توحید کو انسانوں کے عام حقوق میں شامل ایک حق خیال کریں۔ ہمیں آزادانہ طور پر ایسا کرنے کی قطعی اجازت حاصل ہونی چاہیے، اس لیے کہ یہ ایک جائز کام ہے لہٰذا اگر ہماری دعوت (تبلیغ) کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل ہو، ہم یہ دیکھیں کہ کوئی طاقت ہماری راہ میں حائل ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ ہم تمھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، اس لیے کہ اگر ایسا کرنے کی آپ کو اجازت مل گئی تو آپ عوام الناس کے طرزِ عمل کو خراب کرنے کا باعث بن جائیں گے۔ یاد رہے کہ زیادہ تر حکومتوں کے نزدیک عوام کے اندازِ فکر کو خراب کرنے کا مطلب ایسے اندازِ فکر کو عام کرنا ہوتا ہے جو اس امر کا موجب بن جاتا ہے کہ عوام اپنی حکومت کی اطاعت سے انکار کر دیتے ہیں۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورتحال

میں جب کہ بعض حکومتیں مختلف اقوام کے درمیان عقیدۂ توحید کی نشر و اشاعت کو اپنے حق میں غیر مناسب خیال کرتے ہوئے اس کی راہ میں رکاوٹیں حائل کرنے کی سعی کرتی ہیں۔ آیا اس قسم کی حکومتوں کے خلاف اُس وقت تک برسر پیکار رہنا کہ وہ سرنگوں ہو جائیں اور اس طرح تبلیغ کی راہ میں حائل رکاوٹیں ختم ہو جائیں، کیا ایک جائز جنگ ہے یا اس کے برعکس۔

تو اس سوال کے بارے میں اگر ہم مُنصفانہ انداز سے غور و فکر کریں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ جی ہاں ایسی جنگ لڑنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ ایسی جنگوں میں بھی دفاع کا پہلو شامل ہے اور یہ جنگ بھی انہی جہادوں میں شامل ہے جن کی حقیقی ماہیت دفاع ہی کی ہے۔

شخصی اور عام حقوق کا موازنہ:

اگرچہ یہاں تک سلسلۂ کلام پہنچنے کے بعد کافی حد تک جہاد کی ماہیت واضح ہو چکی ہے تاہم اس ضمن میں ایک مسئلہ باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آیا ہماری نظر میں انسان کو جو حقوق حاصل ہیں توحید اُن میں سے ایک عام حق ہے یا وہ انفرادی حقوق اور زیادہ سے زیادہ قومی حقوق کا ایک جُزء ہے؟ دوسرے الفاظ میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ عام انسانی حقوق کے علاوہ انسان کے انفرادی اور شخصی حقوق کا معیار کیا ہے؟

بعض مسائل میں لوگ ایک دُوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ جس طرح رُوئے زمین پر بسنے والے تمام انسان اکثر معاملات میں ایک دُوسرے کی

شل ہیں۔ اسی طرح بعض امور میں ان کے درمیان اختلافِ نظر بھی ہے۔ پھر قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انسانوں کے درمیان موجودہ اختلافات بھی اس قدر زیادہ ہیں کہ پوری دُنیا میں ایسے دو انسانوں کا سُراغ لگانا بھی ناممکن ہے جو عملی طور پر ایک جیسے ہوں۔ دُنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ دعویٰ کرسکے کہ اُس کی نظروں میں دو ایسے انسان موجود ہیں جو رُوحانی خصوصیات کے اعتبار سے سو فیصد ایک دُوسرے کی مثل کہلانے میں حق بجانب ہوں۔ وہ مفادات جو مشترک پہلوؤں کی بنا پر تمام انسانوں سے متعلق ہیں انھیں عام حقوق سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، لہٰذا اس اعتبار سے آزادی سے مُراد یہ ہے کہ تمام بنی نوعِ انسان کو اپنی صلاحیتوں اور استعداد کو اُجاگر کرنے کی راہ میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہ کرنا پڑے اور یہ آزادی ہر انسان سے متعلق ہے، اسی لیے آزادی ہمارے لیے بھی اُسی قدر اہمیت رکھتی ہے جتنی کسی دُوسرے انسان کے لیے اُس کی قدروا ہمیت ہوسکتی ہے۔

مگر اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ میرے اور دُوسرے انسان کے درمیان بہت چیزوں میں فرق پایا جاتا ہے اور اسی فرق کو سلیقہ کا نام دیا جاتا ہے اور اس سلیقہ و ذوق کا اختلاف شخصی ہے بالکل اُسی طرح جیسے ایک انسان دُوسرے انسان سے رنگ و شکل میں مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک انسان کا سلیقہ اور ذوق بھی دُوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر میں اپنے لباس میں ایک خاص رنگ کو پسند کرتا ہوں جب کہ دُوسرا انسان کسی دُوسرے رنگ کو پسند کرتا ہے۔ میں کسی خاص شہر

میں زندگی بسر کرنے کو پسند کرتا ہوں جب کہ دوسرا انسان کسی دوسرے شہر میں رہنا پسند کرتا ہے۔ میں اپنے کمرے کی سجاوٹ کے لیے ایک خاص قسم کی ڈیکوریشن کو پسند کرتا ہوں جب کہ دوسرا شخص اپنے کمرے کو سجانے کے لیے کوئی اور انداز۔ میں اپنی تعلیم کے لیے کسی خاص موضوع کو پسند کرتا ہوں جب کہ دوسرا آدمی اپنے لیے کسی دوسرے موضوع کا انتخاب کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ یہ تمام مسائل شخصی ہیں اور ان کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے اور شخصی مسائل میں کسی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ان میں مداخلت کرے اور اسلام بھی یہی کہتا ہے کہ کسی شخص کو اپنی رفیقۂ حیات کے انتخاب میں مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ یہ شخصی مسئلہ ہے اور متعلقہ انسان کو اس سلسلے میں آزادانہ طور پر انتخاب کا حق حاصل ہے۔

لہٰذا فرنگیوں کا یہ کہنا کہ توحید و ایمان کے اعتبار سے کسی کے ساتھ اُلجھنا درست نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ فرنگیوں کا عقیدہ ہے کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کا تعلق انسان کے انفرادی اور شخصی حقوق سے ہے۔ یہ انسان کا اپنا ذوق ہے کہ وہ جس عقیدے کو چاہے قبول کرے جسے چاہے ٹھکرا دے انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف ایک چیز کے بارے سرگرم عمل رہے، اور اس چیز کا نام "ایمان" ہے جو فنی (ہُنری) امور کی طرح ہے، بالکل اسی طرح جیسے کسی کو "حافظ" کے اشعار پسند ہیں اور کسی کو "سعدی" کے۔ یا ایک شخص "مولوی" سے عقیدت رکھتا ہے جب کہ دوسرا "خیام" سے اور تیسرا "فردوسی" سے۔ لہٰذا ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم کسی سے اس موضوع پر اُلجھنے

کی کوشش کریں کہ آخر وہ سعدی کو کیوں پسند کرتا ہے اور حافظ کو نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ دین بھی بالکل اسی طرح ہے۔ کسی کو اسلام سے عقیدت ہے اور کوئی مسیحیت کا دلدادہ ہے، کسی نے آتش پرستی کو اپنا دین قرار دے رکھا ہے اور کسی نے بت پرستی کو، مگر اس دین کے مسئلہ میں ہمیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ہم اس سے اُلجھیں۔ وہ بھی اس بات پر کہ اُس نے فلاں دین کو کیوں اختیار کر رکھا ہے؟

فرنگیوں کے نزدیک یہ وہ مسائل ہیں جن کا انسان کی زندگی کی بنیاد اور اس راہ سے کوئی ربط نہیں جس پر انسان گامزن ہے، یعنی بنیادی طور پر "دین" کے بارے میں جو ہمارا (مسلمانوں کا) عقیدہ و نظریہ ہے وہ فرنگیوں نے دین کے بارے میں جو نظریہ قائم کر رکھا ہے اُس سے بالکل مختلف ہے۔ اس لیے کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ دین صراطِ مستقیم ہے اور کیونکہ یہی وہ راستہ ہے جس پر گامزن رہ کر انسان اپنی سعادت و خوش نصیبی سے مالامال ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اس راستے سے لاپرواہی برتنا درحقیقت پوری انسانیت کی سعادت و خوش نصیبی سے لاپرواہی اختیار کرنے کے مترادف ہے۔ دُوسرے الفاظ میں ہمارا کہنا یہ ہے کہ توحید انسانی سعادت سے مربُوط ہے۔ اس کا تعلق انسان کے شخصی ذوق و شوق سے نہیں ہے۔ توحید صرف کسی ایک قوم سے متعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق پوری انسانیت سے ہے۔ حق والے وہی ہیں جو توحید سے مُنسلک ہیں، نیز وُہی لوگ صاحبانِ حق ہیں جن کا یہ نظریہ ہے کہ توحید کا تعلق انسانیت سے متعلق حقوق کے ساتھ ہے۔

التماس سورة الفاتحه

سیدہ فاطمہ رضوی بنت سید حسن رضوی

سید ابوذر شہرت بلگرامی ابن سید حسن رضوی

سید مظاہر حسین نقوی ابن سید محمد نقوی

سید محمد نقوی ابن سید ظہیر الحسن نقوی

سید الطاف حسین ابن سید محمد علی نقوی

سیدہ اُمّ حبیبہ بیگم بنت سید حامد حسین

حاجی شیخ علیم الدین

شمشاد علی شیخ

مسیح الدین خان

فاطمہ خاتون

شمس الدین خان

وجملہ شہداء و مرحومین ملت جعفریہ

طالبانِ دعا

سید حسن علی نقوی، حسّان ضیاء خان، سعد شمیم

زوہیب حیدر، حافظ محمد علی، مسلم جعفری

اللھم صل علی محمد و آل محمد

Hassan

http://www.scribd.com/Hassan%20Naqvi
naqviz@live.com